شہادتِ مسجد بابر

کی

کس قانون سے سمجھیں

موجودہ ملکی حالات وحوادث کا قرآن وسیرت کی روشنی میں بزبان شاعر ایک ایسا دل کش وبصیرت افروز تجزیہ جس میں ارباب اقتدار کے لیے درسِ عبرت ونصیحت بھی ہے اور امت کے لیے واضح پیغام حوصلہ وجرأت بھی۔

اور

دردمند دل رکھنے والے تمام برادران وطن سے اپیل بھی۔

حبیب اللہ الفیروزی

مکتبۂ محمودیہ، اسماعیل منزل ہولانگر، سیتامڑھی

(بہار)

پہلا ایڈیشن

جمادی الآخر ۱۴۱۶ھ ــــــــــــ نومبر ۱۹۹۵ء

نام کتاب ــــــــ شہادت مسجد بابر کی کس قانون سے سمجھیں

مصنف ــــــــ حبیب اللہ الفیروزی

تعداد ــــــــ ایک ہزار

کتابت ــــــــ معین الدین پورلوی، دیوبند

قیمت ــــــــ

باہتمام

الحاج محمود عالم

ناشر

مکتبہ محمودیہ، اسماعیل منزل، مولانگر، سیتامڑھی

(بہار) ۸۴۳۳۱۴ انڈیا

انتساب

ان تمام فرزندانِ وطن کے نام

جو سینے میں حساس دل رکھتے ہیں

موضوعِ سُخن

- حرم بابری کی درد بھری داستان

- صبر کی تلخی کا شیریں پیغام

- امید نو کی جھلک ـــــــ

اسے سمجھیں تو کیا سمجھیں بتاؤ کوئی سمجھا ہے
نہ کچھ سمجھیں تو پھر سمجھیں کہ جمہوری تماشا ہے

تقریظ

مفتی ظفیر الدین صاحب مفتی دار العلوم دیوبند

ہمارے مولانا حبیب اللہ صاحب کا کلام ماشاء اللہ بہت بلند اور بامعنی ہے اور لب و لہجہ مؤثر ہے شاعری میں آورد کے بجائے آمد ہی آمد ہے، ان کے اردو کلام کا مجموعہ "صور اسرافیل" اور فارسی کلام کا مجموعہ "حرکت آفاق" کے نام سے بہت پہلے چھپ کر شائع ہو چکا ہے۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے کلام میں کس قدر زور اور وارفتگی ہے، پڑھتے جائیے اور آپ کا دل اس سے متاثر ہوتا چلا جائے گا۔

اس وقت ان کے کلام کا مجموعہ "شہادت مسجد بابر کس قانون سے سمجھیں" کے نام سے سامنے ہے، سرسری طور پر میں نے اسے پڑھا اور دل نے محسوس کیا کہ ہندوستان کے موجودہ حالات سے وہ سخت دل گیر ہیں۔ ایک مخصوص طبقہ نے اس کے حسین چہرے کو داغدار بنا رکھا ہے۔ اسے ختم ہونا چاہیے۔ تاکہ اس کا وقار بلند ہو اور اس کی عظمت کو چار چاند لگیں۔

میں مولانائے محترم کو ان کے اس کلام پر مبارک باد پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان کی اس گراں قدر خدمت کو قبول فرمائے اور ہندوستان کے باشندوں میں اپنے ملک سے محبت پیدا کر دے اور وہ عصبیت کی خار دار جھاڑیوں سے باہر آکر کام کریں۔

طالب دعا
محمد ظفیر الدین، مفتی دار العلوم دیوبند
جمعہ ۸ / جمادی الآخر ۱۴۱۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از: حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی استاذ ادب عربی و مدیر الداعی
دار العلوم دیوبند

حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب پالن پوری، دار العلوم دیوبند کے ایک ایسے باکمال فاضل ہیں، جنھیں خدائے غنی نے بہت ساری متنوع خوبیوں اور کمالات سے نوازا ہے۔ وہ ایک طرف قرآن و حدیث کے علوم میں کامل دست گاہ رکھتے ہیں اور دوسری طرف زبان و ادب کا نکھرا ہوا اور پاکیزہ مذاق۔ عرصہ پہلے اُن کا اردو مجموعۂ کلام "صورِ اسرافیل" کے نام سے اور فارسی کلام "حرکتِ آفاق" کے عنوان سے شائع ہو کر مقبولِ خاص و عام ہو چکے ہیں۔

اُن کے ہاں اقبال کا سا آہنگ ہے اور ایک قاری کو بہت مرتبہ ایسا محسوس ہوتا ہے اُن کی غزل و نظم کے بین السطور میں کوئی "اقبال" ہی "غزل خواں" ہے؛ کچھ اُنھیں کا سا درد، کچھ اُنھیں کی سی خوبی، اُنھیں کی سی شوکتِ الفاظ اور ضمیرِ خفتہ و طبیعت خوابیدہ و دلِ افسردہ کے لیے کچھ اُنھیں کا سا "ضربِ کلیمی" کی جھنکار سے سرشار ہنرِ فکر و فن۔

اگر موصوف مدرسی زندگی کی گوناگوں مصروفیتوں اور کثیر النوع مشاغل سے وقت نکال کر سمتِ شاعری میں مسلسل محوِ سفر رہتے تو وہ کئی ایک مزید دیوان کے مالک ہوتے اور اپنے گرم و گداز و شیریں طرزِ لب و لہجے کے ذریعے جوانانِ مسلم کو تڑپنے پھڑکنے اور قوم و ملت کے بامقصد درد سے بے قرار رہنے کا سلیقہ سکھانے والے ہمارے اہلِ پیغام شاعروں کی بابرکت صف کے انسانوں کی شناخت کے حامل ہوتے۔ بلاخوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے مدرسی ماحول کی موجودہ نسل ہی نہیں گذشتہ نسل میں بھی ایسے خوش گو، زود گو اور پختہ گو شاعر چند ہی ملیں گے جن کے کلام پر زبان و ادب کے کسی انصاف پسند ناقد اور قادر الکلام استاذ کو نکتہ چینی کی جرأت ہو۔ حریفانہ تنقید کی گنجائش

تو ہر وقت اور ہر جگہ موجود رہتی ہے۔

مولانا کو اللہ نے بیداریِ ضمیر، گدازیِ قلب اور روشن ضمیریِ مؤمن کی دولت سے بھی نوازا ہے۔ تعلیم و تربیت کے میدان میں سال ہا سال سے ہمہ تن و دل مصروف ہوجانے کی وجہ سے اُنھوں نے شاعری سے تقریباً قطع تعلق سا کرلیا تھا، لیکن دسمبر ۱۹۹۲ء میں ہمارے وطن عزیز کے نادان و انتہاپسند ہندوؤں کے ہاتھوں بابری مسجد کی شہادت کا دل گداز و خوں بار سانحہ پیش آیا تو ان کی شاعرانہ طبیعت از خود جاگ اٹھی اور ان کی فن کارانہ بالغ نظری سے نشاط بخش حزنیہ تاثرات بے ساختہ ابل پڑے، جن کے ذریعے اُنھوں نے ہندی مسلمانوں کو، جن کے سر سے اِس الم ناک واقعے کے بعد جوے خوں سر سے گذر گئی اور عرصے تک حالات و واقعات کے فولادی و عفریتی دباو کے تحت ایسا لگا کہ وہ قنوطیت سے دوچار ہو چلے ہیں، یہ پیغام دیا کہ یاس و محرومی کے احساس کا شکار ہوجانا اسلام کے جاوداں پیغام کے حاملوں کا شیوہ نہیں؛ اس لیے کہ خداے لم یزل کے قانونِ مجازات کے مطابق آخرت سے پہلے دنیا میں بھی اُس کا دستِ قدرت ظالموں کے گریباں تک پہنچ کر مظلوم کے لیے اس طرح انتقام لے لیا کرتا ہے کہ ظالم و مظلوم دونوں دم بخود رہ جاتے ہیں۔ اُنھوں نے انتقامِ الٰہی کے اٹل قانون و نظام کی طرف، انتہاپسندانہ نظریات والی جماعتوں کی موجودہ رسّاکشی اور اُن کی پیہم شکست و ریخت کے تناظر میں، زندہ و متحرک دلیل کی صورت میں، پرلطف و معنی خیز طور پر اشارہ کیا ہے۔ زبان و بیان کی بلند آہنگی نے مزید خوبی و دل نوازی پیدا کردی ہے۔ انھوں نے اِس مسلسل نظم کو مندرجۂ ذیل خوب صورت شعر پر ختم کیا ہے۔ ؎

خلیل اللہ کی آتش بہار دیدہ ہوجائے
مسلماں ہو نہیں سکتا جو ناامید ہوجائے

امید ہے کہ یہ از دل خیزد نظم مسلمانوں کے لیے بر دل ریزد ہوگی اور اس کی خواند و تکرار سے قاری کو دولت بیداری ملے گی۔ ناچیز دست بدعا ہے کہ خدائے کریم اس نظم کو مؤلف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے اور اسلام اور مسلمانوں کے تئیں مخلصانہ و غم گسارانہ تعلق کا اُنھیں بیش از بیش بدلہ دے۔ آمین

نور عالم خلیل امینی۔ جمعرات ۲/۷ ۱۱/۶ ۱۴۱۶ھ ۱۹۹۵ء

أَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ
وَلَا تَكُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْكُرُوْنَ ○ (القرآن) (پ۱۴ سورہ نحل)

ترجمہ

اور صبر کرو اور جی کو تھام رکھو اور تمہارا صبر کرنا اللہ کی توفیق ہی سے ہو سکے گا اور ان کے حال پر غم کرنا چھوڑ دو اور ان کی تمام چال بازیوں پر اپنے دل کو تنگ نہ ہونے دو۔

بارگاہِ نبوی میں علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام

عرضِ نیاز

امت کے دردو کرب سے سینہ تیرا خراش
ملت کے سوز و تاب پہ قرباں تیری معاش

آنکھیں تھیں خشک جس کے غمِ بے پناہ میں
اب بھی اسی امت کا سبو چہ ہے پاش پاش

دردِ جگر کا واسطہ دستِ دعا اٹھا
یا زخمِ دل کے واسطے مرہم ہی کر تلاش

آخر میں ایک اور گذارش بھی ہے مری
میرا سلام بھی ہو قبولِ جناب کاش

(مصنف کے مجموعۂ کلام "صورِ اسرافیل" سے ماخوذ)

لباسِ ہر سحر نیر نگیِ فن میں فسوں انگیز
چمن میں برگ ہائے لالہ ہیں رنگ طلسم آمیز

ستارے خون کرکے سرخ پیراہن میں آپہنچے
یہ خونِ سُرخ ہے اک داستانِ ظلم سے لبریز

حریمِ مسجدِ بابر کا عبرت ناک افسانہ
المناک و فسوں انگیز و غم آلود و حیرت خیز

جدید اسبابِ آگاہی کی ہر تصویر کے ہوتے
ہوس کی چیرہ دستی کے فسونِ ظلم سے لبریز

نمِ صحرا، رمِ آہو، دمِ شام و سحر دیکھا
نگاہوں کو نہیں نظارۂ آزاد سے پرہیز

برنگِ نوحہ بزمِ ماتم آرائی سجائیں کیوں
حقیقت بیں نگاہوں کو نمِ افسانہ ہے زرخیز

فغانِ نیم شب کا اشکِ نم اک صبحِ روشن ہے
تلافی بزمِ ماتم کی دعا ہائے سحر آمیز

غرورِ اکثریت ہو کہ جمہوری کھلونا ہو
جہاں دستور ہی عنقا مثالِ شاہدِ پرویز

جو آئینِ عصرِ حاضر کے لیے ایمان محکم تھا
بکھیری دھجیاں اس کی، کہا، نا التفات آمیز

شہادت مسجدِ بابر کی کس قانون سے سمجھیں
بتاؤ! غم غلط ہوگا خبر ہوگی نشاط انگیز

یہ ہندوستاں کی عظمت سے بھرا سب سے بڑا ایماں
سنا دیں فاضلانِ لا، سزائے نقضِ دستاویز

اسے سمجھیں تو کیا سمجھیں بتاؤ کوئی سمجھا ہے
نہ کچھ سمجھیں تو پھر سمجھیں کہ جمہوری تماشا ہے

ہوس دل میں چھپا کر رتھ چلا تھا یاترا کرنے
جہاں دلی کے تخت و تاج کے کچھ آشیاں بھی تھے

قطار اندر قطار آئے وہ موٹر اینٹ سے بوجھل
کھلی تلواریں اور ترشول لے کر کارواں بھی تھے

کمانیں، تیر، بھالے، لاٹھیاں، جھنڈے، علم، پرچم
نگاہیں خشم آگیں اور دل نامہرباں بھی تھے

فضاؤں کے جگر بھی چیر کر رکھ دیں وہ نعرے تھے
گواہی کو! مہ و پرویں شریکِ آسماں بھی تھے

چلے تھے تا عروجِ گنبدِ دلی جا پہنچے
خبر کچھ بھی نہ تھی کہ رہ میں بحرِ بیکراں بھی تھے

پہاڑوں جیسے حائل راہ میں دیکھے تو سُر بدلے
بدلنے پر بھی ظالم نالۂ آتش بجاں بھی تھے

دمِ مظلوم جیسا عزمِ محکم ہی نہیں پایا
زباں پر نغمہ ہائے شورشِ آہ و فغاں بھی تھے

مجھے مانند بھاجپ تجھ کو بھڑکانا بھی آتا ہے
مگر مولائے کُل کے صبر آموز امتحاں بھی تھے

سبق تحریفِ مذہب کا جہاں میں عام کر آئے
زمانے بھر میں ملک و قوم کو بدنام کر آئے

تعجب کچھ نہ تھا گر اتنے پاپڑ بیلنے پڑتے
اگر کوئی سرودِ جاوداں پیشِ نظر ہوتا

سراب "کارسیوا" یا فریبِ ہارسیوا تھا
نظر آتا اگر جمشید خود روشن بصر ہوتا

نہ ناچے اکثریت پر نہ کودے عسکریت پر
اگر کچھ آسمانی حکمِ کن سے باخبر ہوتا

کوئی سمجھے نہ سمجھے گردشِ ایام ہے پیغام
حیاتِ نو کا کوئی چاہنے والا اگر ہوتا

کرم تیرا خدایا ! نام ہندوستان روشن ہے
خرد روتی ہے کاش اس ملک کے شایاں گذر ہوتا

لبِ جو کوہسار و مرغزار و آبشار آتے
افق پر مہر تاباں سائبانِ نور گر ہوتا

لباسِ نور میں، ہر صبح، استقبال کو آتی
اگر کچھ عقلِ دوراندیش میں نورِ جگر ہوتا

یہ تھوڑا خونِ فاسد سوزنِ رگزن کا جویا ہے
خدائی نشترِ جراح ہی کلکِ گہر ہوتا

تعصب میں نئے انداز سے بیداد کرتے ہیں
"وطن کی آبرو اہل وطن برباد کرتے ہیں"[1]

---

[1] یہ مصرع پنڈت برج نرائن چکبست (۱۸۸۲ — ۱۹۲۶ء) کے شعر کا ہے۔

تفاخر مشرق و مغرب کے آواروں میں دیکھا ہے
یہ آوارہ ہی آواروں سے بڑھ جائے عجب کیا ہے

حریمِ پاک ڈوبا ہے تمہیں بھی لے کے ڈوبے گا
خدا کا گھر کہ بابر کا مساجد کا نسب کیا ہے ؟

خدا کا گھر تھا، رب البیت ان کو کیسے چھوڑے گا
وہ دستوری ضمانت دے کے دن دھاڑے یہ سب کیا ہے

الوہی طرزِ استدراج[1] کا قانون پنہاں ہے
بتا سکتا نہیں کوئی کہ کب کیا ہو کہ اب کیا ہے

---

[1] (اَلَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ (القرآن) پ ۹، رکوع ۱۳)
جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ہم ان کو آہستہ آہستہ پکڑیں گے ایسی جگہ سے جہاں سے ان کو خبر ہی نہ ہوگی۔

کہاں روپوش ہیں وہ ماہرِ طبقاتِ ارضِ ہند
بتائیں مجھ کو لاتور[1] کی تزلزل کا سبب کیا ہے

وہ آنکھوں کے دیے روشن تھے آخر بجھ گئے کیسے
انھیں پوچھو سزا کے نقض قانونِ ادب کیا ہے

چمن زارِ افق ہے یا نخیلِ شامِ صحرائی
نگہ سے دور تا حدِ نظر منظر عجب کیا ہے

وہ جس کے داؤ پکے[2] ہیں وہ جس کے وار گہرے ہیں
نہ سمجھے گا فریبِ آرزو تدبیرِ رب کیا ہے

---

[1] لاتور کے بھیانک زلزلے کی تاویل یہ کی گئی تھی کہ عرصہ سے اس علاقے کی زمینی تہیں اور پلیٹیں کھسکتی آرہی ہیں اگر حقیقت یہی تھی تو پھر اس عذابِ الٰہی کے بعد اب وہاں یہ زمینی کیفیت کیوں نہیں پائی جاتی۔

[2] واملی لهم ان کیدی متین (القرآن) پ ۹ رکوع ۱۳
اور میں ان کو ڈھیل دوں گا بیشک میرا داؤ پکا ہے۔

نہتے ناتواں مظلوم کی آہوں بھری فریاد
ترے فردا کا یہ سرمایۂ "سازِ طرب" کیا ہے

بلال و یاسر و عمار کی توحید کے قرباں
بجز اس ہمّتِ عالی کے مطلوبِ طلب کیا ہے

پکڑ کر دامنِ توحید غم پر غم بھی کھائیں گے
فقط اک رشتۂ توحید، اور اپنا حسب کیا ہے

ہمیں بھولا نہیں ہے فتنۂ تاتار[1] کا بغداد
عزیمت جب سے کھوئی ہے تو تاریخِ عرب کیا ہے

ڈرا سکتی ہیں کیا مجھ کو تیری طفلانہ تدبیریں
ستاروں کے جہاں میں ڈھل رہی ہیں اور تقدیریں

---

[1] ۶۵۶ھ

غلط آہنگ ہو بربط تو بارِ گوش ہو جائے
نہ ہو اخلاص رہبر میں، نوا خاموش ہو جائے

فضائے مے کدہ تاریک سے تاریک تر ہو جائے
اگر ساقی مئے مدہوش سے خود مدہوش ہو جائے

ہوس کا بیج بار آور زمینِ شورہ میں کیا ہو
کریلا نیم چڑھ کر خود علاجِ ہوش ہو جائے

کہ شور از شورہ بر آید ہوس تخمِ ہوس کارد
اگر تخم و زمین شیریں ثمر خوش نوش ہو جائے

فضا کی سانس رک جائے چمن کی نبض گھٹ جائے
اگر خورشیدِ تاباں خود ہی شب آغوش ہو جائے

پیامِ سرمدی کو حرص و آز حکمرانی سے
اگر توڑے تو سمجھو خانماں برباد ہو جائے

ترے کرتوت سے عرشِ الٰہی کانپ جاتا ہے
پنپ سکتا نہیں ہرگز جو برقِ ہوش ہو جائے

"بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را"[1]
طلسمِ وہمِ مشرکیات گر روپوش ہو جائے

---

[1] حافظ شیرازی کے مشہور شعر کا مصرع

وہ کیکاؤس ظالم جس کی چولیں ہل گئیں آخر
نہ ہو انصاف تو پھر لائقِ پاپوش ہو جائے

افق پر تیرگی چھائی ہوئی ہے اس طرح جیسے
سیاہی ظلم کی ظالم کے ہم آغوش ہو جائے

وہ سورج جس نے خطِ استوار کا تاج پہنا تھا
نگارِ شام کے ہاتھوں نے اس سہرے کو چھینا تھا

کھجوراہوں[1] کی راہوں نے عجب منظر دکھایا تھا
فسانہ تھا، ڈرامہ تھا، کہ تھا افسون سلطانی

نہ دشمن تھے نہ قاتل تھے رقیبوں کے گریباں تھے
کہ رنگارنگ تھے اڑتے پھٹے ٹکڑے گریبانی

ہوس میں کیا خبر کس کا گریباں چاک ہوتا ہے
متاعِ حرص انگورہی گل ہائے پریشانی

قلم کے ہاتھ کٹ جائیں زبانِ خامہ شرمائے
رقم کیسے کروں تصویر حرص دل کی طغیانی

---

[1] ایم۔پی کا ایک مشہور شہر، جس کے ذکر سے اکتوبر ۱۹۹۵ء کے پہلے ہفتہ کے تمام ہندوستانی اخبارات بھرے پڑے تھے، اگلے بیس اشعار کو اسی واقعہ کے تناظر میں دیکھا جائے۔

تعجب کیا اگر اپنے محل کے شیشے خود توڑے
پسند آئی جنوں کو اپنے گھر کی خود ہی ویرانی

نکالا، پھر لیا، پھر سے نکالا، پھر لیا آخر
نہ آنے دو، پھر آنے دو، سے حیرت میں تھی دربانی

تزلزل نے ہلا دی کھوکھلے ایواں کی دیواریں
حقیقت دیکھ! عریاں یاترا کی اور عریانی

بدلتا رنگ یوں گرگٹ، مصور کشمکش میں تھا
بیابانی دکھائے یاد کھائے گل بدامانی

عداوت، بغض، کینہ، فتنہ و آویزشِ باہم
رقابت، بدگمانی اور خانہ جنگیِ پیہم

چڑیلوں کا سا ننگا ناچ دنیا بھر کو دکھلایا
نگاہیں جھک گئیں، دل ہو گئے بیزار کچھ ایسے

رقابت نے کھلائے ایسے گل گلشن بھی حیراں تھے
بہاروں میں لٹکتے تھے رسن اور دار کچھ ایسے

حریفوں کی زبانیں آبلہ پائی پہ چیخ اٹھیں
حسد کے خارزاروں نے چبھوئے خار کچھ ایسے

حریم بابری نے ایک اک دعوے کو توڑا ہے
کچل کر مل گئے مٹی میں وہ پندار کچھ ایسے

وہ جادو ہے حقیقت خود ہی سر پر چڑھ کے بولے گا
حوادث صورتِ طوفان پر اسرار کچھ ایسے

خدا کے حکمِ کن کی قوت پنہاں بھی دیکھو گے
اسیرِ مسجدِ بابر پہ ہے یلغار کچھ ایسے

فضیحت اور رسوائی کبھی دیکھی نہیں ایسی
گلے میں طوق تھے یا دیکھنے میں ہار کچھ ایسے

نقوشِ گل کو جیسے پھول ہی سمجھا کرے کوئی
ادب تنظیم کے نعرے پہ تھا اصرار کچھ ایسے

کھجوراہوں نے اس کی پول بھی اب کھول کر رکھ دی
زبانیں گنگ ہیں نعرے ہوئے ہیں خوار کچھ ایسے

لئے آنکھوں میں ہر ظالم کے کرتوتوں کی تصویریں
شہیدِ بابری ہے زندہ و بیدار کچھ ایسے

اسے بھی تو نے سمجھا وعدۂ فردا حسینوں کا
بڑا چرچا تھا ظالم تیرے ان جھوٹے نگینوں کا

مجھے یہ فخر ہے میں ہند کا فرزندِ والا ہوں
وطن کے کوہسار نور کا اک نقش مرمر ہوں

ستمگر! ظلم سے مجھ کو ڈرا سکتا نہیں ہرگز
مظالم ہی سے میں سینچی ہوئی سیرت کا پیکر ہوں

مظالم تجھ سے جتنے ہو سکیں کر لے کے اے ظالم!
میں اک بازوئے قدرت کا حفاظت کردہ کلچر ہوں

تو دار و گیر کے قانون سے واقف نہیں شاید
مکافاتِ جرم فطرت کا میں آئینہ ساغر ہوں

حرم بولا کہ میں نے کس کو چھوڑا ہے کہ چھوڑوں گا
جلا کر راکھ کر سکتا ہوں وہ شعلہ وہ اخگر ہوں

تمہارے رخ کا رنگِ سرخ فق ہو ہو کے رہ جائے
وہ بجلی ہوں وہ طوفاں ہوں وہ آندھی ہوں وہ صرصر ہوں

بھگتنا ہی پڑے گا دیر ہے اندھیر مت سمجھو
فغانِ ظلم ہوں، فریادِ شب ہوں، دیدۂ تر ہوں

خلیل اللہ کی آتش بہارِ دید ہو جائے
مسلماں ہو نہیں سکتا جو نا امید ہو جائے